سرکاری مدارس میں
شیعہ مذہب کی تعلیم

کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ حکومت نے ان سب امور کو نظر انداز کر کے اہل سنّت کی مرضی کے خلاف سکولوں میں شیعہ نصاب پڑھانے کا فیصلہ کر دیا۔ قوم میں سنّی ذہن کا فقدان ہی ان باتوں کا سبب ہے۔ کیا حکومت کو اب دوسری اقلیتوں کے ایسے مطالبات بھی پورے کرنے ہوں گے؟ اور کیا یہ قومی و ملکی یکجہتی کے ساتھ ایک ظالمانہ مذاق نہیں ——؟

ادارہ

اہل سنّت کی اور زعماء ملّت کی بے حسی کی وجہ سے سرکاری درس گاہوں میں شیعہ دینیات کی تعلیم کا شیعی مطالبہ منظور ہو گیا ہے۔ جب یہ مطالبہ شیعوں کیطرف سے پیش کیا گیا تھا تو اہل سنّت کے حساس اور فہیم طبقہ نے اس کے خلاف بار بار احتجاج کیا اور حکومت سے درخواست کی کہ یہ مطالبہ نہ منظور کیا جائے۔ اس کے ساتھ عوام اہل سنّت کو اس کی مضرتوں سے آگاہ کیا۔ مگر نہ حکومت نے ان کے احتجاج پر کان دھرا اور نہ عوام اہل سنّت میں وہ بیداری پیدا ہوئی جو حکومت کی گراں گوشی دور اور اسے سینوں کی بات سننے پر مجبور کر دیتی۔ پھر بھی شیعوں کا یہ مطالبہ ماننے میں حکومت کو تردد تھا۔ مگر انہیں ایک سنہرا موقع مل گیا۔ جب اہل سنّت نے قادیانیت کے بارے میں ایجی ٹیشن شروع کیا۔ اس میں چند شیعہ ازراہ تقیہ شامل ہو گئے۔ عام طور پر بحیثیت قوم شیعوں کی ہمدردی قادیانیوں ہی کے ساتھ رہی۔ چنانچہ جب سماجی مقاطع کی تحریک شباب پر تھی اسوقت چالیس شیعی علماء و زعماء کا بیان بائیکاٹ کی مذمت اور قادیانیوں کی حمایت میں شائع ہوا۔ سینوں کا بھولا پن ملاحظہ ہو کہ انہوں نے ان دو چار شیعوں کو پوری شیعی ملّت کا نمائندہ سمجھا جو ان کے ساتھ تھے اور ان کے ان چالیس نمائندوں کو نظر انداز کر دیا۔ سینوں

کی اس سادگی اور حد سے گزری ہوئی وسعت قلب سے فائدہ اٹھا کر شیعوں نے اپنے بے جا مطالبات منظور کرائے اور سنی زعماء کی مجرمانہ غفلت و بے حمیتی کی وجہ سے کسی طرف سے اسکے خلاف آواز نہ اٹھی۔ چند حساس علماء اہلسنت نے احتجاج کیا تو شنوائی نہ ہوئی عوام اہل سنت کو خبر ہی نہ ہوئی کہ کیا ہوا اور انہیں کتنا نقصان پہنچا دیا گیا۔؟

تحریک تحفظ ختم نبوت میں شیعوں کی برائے نام شرکت کی وجہ سے ہمارے سنی بھائی رواداری کے شرعی حدود کو بھی پار کر گئے اور اس حد تک پہنچ گئے جہاں تک پہنچنا شریعت اور عقل دونوں کی نظر میں نامناسب اور ناجائز ہے۔ مگر شیعوں کی طرف سے یہ صلہ ملا۔ کہ مسلک اہل سنت کے خلاف ان کی سرگرمیاں تیز ہوگئیں۔ انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنے مطالبات حکومت سے منظور کرائے، حالانکہ سنی ان سے اختلاف کا اظہار اسوقت سے بہت پہلے کر چکے تھے۔ شیعوں کے مذہبی رسائل و اخبارات کے چند نمبر دیکھ لیجئے آپ انہیں اہل سنت و مسلک اہل سنت کے خلاف زہر افشاں پائیں گے۔ بطور نمونہ شیعی ماہنامہ "معارف اسلام" ہی کے چند نمبر ملاحظہ فرمالیجئے۔ اتنے دل آزار مضامین ملیں گے جنہیں پڑھنا بھی آپ کیلئے دشوار ہوگا۔ اسی مدت میں یوم حسینؓ کے نام سے شیعوں کے تبلیغی جلسوں کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا جو پورے پاکستان میں پھیلایا گیا اور جس میں دل آزار تقریریں کر کے سنیوں کی دلآزاری کے علاوہ ناواقف اور جاہل سنیوں کو شیعہ بنانے کی کوشش کی گئی یہ کوشش خاص حد تک کامیاب ہوئی اور میرپور خاص کے قریب دیہات میں تبدیل مذہب کے واقعات کی بھی اطلاع ملی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کو شیعہ سلطنت اور یہاں کے سنیوں کو شیعہ بنانے کا منصوبہ تو پاکستان بننے سے پہلے ہی بنالیا گیا تھا۔ مگر ہمارے زعماء کی بے حمیتی اور سادہ لوحی کی وجہ سے دین سے ناواقف عوام اہل سنت غفلت میں مبتلا رہے اور آج بھی انہیں وجوہ سے ہم دام تزویر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہمارے سنی زعماء اجتماعی مسائل خواہ وہ دینی ہوں یا دنیاوی ہمیشہ دنیاوی ذہن سے سوچتے ہیں۔ اجتماعی معاملات میں "دینی ذہن" تقریباً مفقود ہے۔ ان زعماء اور قائدین میں جو حضرات دیندار اور متقی بھی ہیں وہ بھی اجتماعیات میں "دنیاوی اور سیکولر" ذہن سے سوچنے کے عادی ہیں۔ اس سے مستثنیات بھی ہیں مگر ان کی تعداد بہت کم ہے۔ اور اجتماعیات خصوصاً سیاسیات میں ان کی آواز عموماً بے اثر رہتی ہے۔

دین ہمارے نزدیک مذہب اہل سنت سے عبارت ہے اور "دینی ذہن" کے معنی "سنی ذہن"

ہیں۔ قوم میں "سنی ذہن" کا فقدان ہی ہماری تباہیوں کا سبب ہے۔ اگر ہمارا اجتماعی ذہن "سنی" نہ بنا تو یقین کیجئے کہ دین و دنیا دونوں کے اعتبار سے ہم تباہ ہو جائیں گے۔ اور روز قیامت اپنی غفلت، بے حسی، اور بے حمیتی کے جرائم عظیمہ کی باز پرس کا کوئی جواب ہم سے نہ بن پڑے گا

سرکاری تعلیم گاہوں میں شیعہ دینیات کی تعلیم کا انتظام کس طرح جائز اور مناسب نہیں کہا جا سکتا۔ مندرجہ ذیل امور پر نظر کرنے سے اس اقدام کی غلطی اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔

۱۔ دنیا کے ہر جمہوری ملک میں اکثریت کے مذہب کی تعلیم کا انتظام سرکاری طور پر ہوتا ہے۔ اقلیتوں کی مذہبی تعلیم کا انتظام حکومت نہیں کرتی مثلاً ہمارے پڑوسی ملک ایران میں سرکاری طور پر صرف شیعہ مذہب کی تعلیم کا انتظام ہے۔ حالانکہ وہاں اہل سنت کی تعداد پاکستان کے شیعوں سے بہت زائد ہے۔ یہاں اہلسنت کی تعداد تقریباً نوّے فیصد ہے۔ شیعوں کی تعداد تین فیصد سے زائد نہ ہوگی۔ بخلاف اس کے ایران میں سنیوں کی تعداد سرکاری مردم شماری کے مطابق اٹھارہ فیصد اور حقیقتاً اس سے بھی زائد ہے۔ بعض شیعوں کا یہ دعویٰ کہ وہ پاکستان میں ڈھائی کروڑ ہیں۔ بالکل غلط اور کذب صریح ہے۔ پورے پاکستان میں ان کی تعداد زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس لاکھ ہوگی۔ اگر صحیح طریقہ سے مردم شماری کی جائے تو تعداد اس سے کم ہی نکلے گی زیادہ نہیں۔

۲۔ سنی شیعہ اتحاد کی افیون اہل سنت کے حلق سے اتارنے کیلئے جھوٹے پروپیگنڈے سے کام لیکر بہت سے اہلسنت کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔ کہ سنیوں اور شیعوں کے درمیان اختلافات فروعی ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب اہلسنت اور مذہب شیعہ کے درمیان بنیادی اختلافات ہیں۔ شیعہ مذہب کی بنیاد ہی سنی مذہب کی نفی پر ہے۔ ان میں سے بعض باتیں تو اسقدر واضح اور مشہور ہیں کہ ہر سنی ان سے واقف ہے۔ مثلاً جن حضرات کی عبت و عظمت کو ہم ایمان کا تقاضا اور سرمایۂ آخرت سمجھتے ہیں اور ان کی خاک قدم کو بھی اپنی جان و آبرو ہر چیز سے زیادہ قیمتی جانتے ہیں۔ ان کے ساتھ شیعوں کو اس قدر شدید عداوت ہے کہ ان کی تنقیص و توہین اور ان سے تبرا ان کے مذہب کا بنیادی جزو ہے۔ اور مثلاً عقیدہ امامت شیعہ مذہب کا بنیادی عقیدہ ہے جس پر اسکی پوری عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ اور اہل سنت کے نزدیک عقیدہ امامت بالکل باطل ہے۔ کیونکہ سنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ اور عقیدہ امامت عقیدہ ختم نبوت کے بالکل خلاف ہے۔ جو شخص امامت کا عقیدہ رکھتا ہے، اس کا ایمان ختم نبوت پر نہیں ہو سکتا ——— یہ دو باتیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی دونوں مذہبوں میں بکثرت

بنیادی اختلافات موجود ہیں۔ بلکہ تحقیق یہ ہے کہ مذہب اہل سنّت اور مذہب شیعہ کے درمیان اصولی طور پر کوئی چیز بھی مشترک نہیں۔ ان بنیادی اور اصولی اختلافات کے ہوتے ہوئے کس قدر بے انصافی ہے کہ اکثریت کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے مذہب کی نفی اور اپنے بزرگان دین کی توہین و تنقیص کرنے والے مذہب کی تعلیم کا بندوبست کرے۔ اور ایسے مذہب کی اشاعت کی ذمہ داری لے جو اس کے دین و مذہب کی نفی کرتا ہے۔ اس تصریح کی حاجت نہیں کہ جمہوریت میں حکومت کے افعال اکثریت ہی کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور اکثریت ہی انکی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اور اسی پر اس کے اقدامات کا اثر بھی زیادہ پڑتا ہے۔

۳۔ اگر شیعوں کیلئے دینی تعلیم کا انتظام حکومت کرتی ہے۔ تو دوسری اقلیتیں بھی اس کا مطالبہ کر سکتی ہیں۔ قادیانی، ذکری، بہائی، ہندو، اسماعیلی شیعہ، بوہرے شیعہ، وغیرہ بھی اپنی مذہبی تعلیم کے سرکاری انتظام کا مطالبہ کریں تو حکومت کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا۔؟ اور کیا ان سب کا انتظام کرنا حکومت کے بس میں ہے۔؟

۴۔ مذہب اہلسنت کی تعلیم کسی کیلئے بھی دلآزار نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کسی کو گالیاں دینا یا کسی پر لعنت و تبرّا بھیجنا اس کا جزو یا اس میں لازم نہیں۔ بخلاف اس کے شیعہ مذہب کی تعلیم اہلسنت کیلئے سخت دلآزار ہے۔ کیونکہ کبار اصحاب اور حرمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ازواج مطہرات پر طعن و تشنیع اور ان پر تبرّا شیعہ مذہب کا ایک بنیادی جزو ہے۔ کسی مشترک تعلیمی ادارے میں اس قسم کی تعلیم کا نتیجہ اہلسنت کی سخت دل آزاری اور فتنہ و فساد کی صورت میں نکلے گا۔ مزید یہ کہ یہ کیسا ظلم ہے۔ کہ اکثریت کو تبرّا سننے پر مجبور کیا جائے اور اقلیت کے لئے ان کی دلآزاری کا موقع فراہم کیا جائے۔

——— کس قدر حیرت انگیز اور افسوس ناک بات ہے کہ حکومت نے ان سب امور کو نظر انداز کر کے اہلسنت کی رائے اور مرضی کے خلاف یہ غیر منصفانہ فیصلہ کر دیا کہ شیعہ دینیات کی تعلیم سرکاری اداروں میں دی جائے۔ پھر اس کے عملی نفاذ کی جو صورت تجویز کی گئی ہے وہ تو اہلسنت کیلئے سخت ضرر رساں بلکہ تباہ کن ہے۔ اس موقع پر وزیر اعظم نے جو اعلان فرمایا ہے۔ پہلے اس کے مندرجہ ذیل فقرے پر غور فرمائیے ———:

"مجھے یقین ہے کہ تصفیہ کے مطابق شیعہ اور سنّی علماء وزارت تعلیم کے نمائندوں کے ساتھ مل کر ۱۹۷۵ء کا تعلیمی سال شروع ہونے سے قبل نصاب کو آخری شکل دینے کا کام مکمل کریں گے جو دونوں فرقوں کے لئے قابل قبول ہو۔"

سوال یہ ہے جب دونوں مذہبوں میں بنیادی اور اصولی اختلافات ہیں۔ یہاں تک کہ دین اور مذہب کا تصوّر ہی دونوں کے نزدیک جدا جدا ہے تو ایسا نصاب کیسے بن سکتا ہے۔ جو دونوں کے نزدیک قابل قبول ہو۔ کیا ایسا کوئی نصاب بن سکتا ہے جو مسلمانوں اور قادیانیوں دونوں کے نزدیک قابل قبول ہو۔؟ اگر نہیں تو سنیوں اور شیعوں کا نصاب دینیات ایک اور دونوں کے نزدیک قابل قبول کیسے ہو سکتا ہے۔؟

یہ بات بہت اہم ہے کہ یہ فیصلہ بالکل یکطرفہ ہے۔ ۱۳ر اکتوبر ۷۴ء کو یہ فیصلہ جس کمیٹی نے کیا ہے اس میں ایک بھی سنی نمائندہ شریک نہ تھا۔ جناب پیرزادہ صاحب کے متعلق ہمیں معلوم نہیں کہ وہ شیعہ ہیں یا سنی۔ اگر وہ سنی بھی ہوں تو ان کی شرکت کو سنیوں کی نمائندگی نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ وہ رکن حکومت کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے نہ کہ سنیوں کے نمائندے کی حیثیت سے۔ حکومت کے دوسرے نمائندے رفیع رضا صاحب شیعہ ہیں۔

ان دو حضرات کے علاوہ جملہ ارکان مجلس شیعہ اور شیعہ جماعتوں کے نمائندے ہیں ایسی کمیٹی کے فیصلے کو ہرگز کوئی سمجھوتہ نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اہل سنّت کے خلاف کھلا ہوا جارحانہ فیصلہ ہے جو شیعوں نے کیا ہے۔ اس شیعہ کمیٹی نے جو عملی تجویزیں پاس کی ہیں، ان میں سے پہلی تجویز یہ ہے:

۱۔ پہلی جماعت سے آٹھویں جماعت تک تمام طلبہ کو مشترک نصاب پڑھایا جائے گا، جس میں یہ چیزیں شامل ہوں گی۔ (۱) قرآن مجید اور نماز۔ (۲) سیرۃ النبی۔ (۳) اخلاقیات۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان میں کیا چیز اہل سنت اور شیعوں کے درمیان مشترک ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان میں سے کسی چیز میں بھی فریقین کے درمیان اشتراک اور اتفاق نہیں۔ یہاں ہم اس بحث کو نہیں چھیڑنا چاہتے کہ درحقیقت شیعوں کا اعتقاد قرآن کریم کے متعلق کیا ہے۔؟ اور اس سے بھی قطع نظر کرتے ہیں کہ تفسیر قرآن میں فریقین کے درمیان کتنے شدید اختلافات ہیں۔ ان امور سے قطع نظر کرنے کے باوجود اس مسئلہ کی اہمیت کم نہیں ہوتی — کہ نفس قرأت میں بھی فریقین کے درمیان خاصا اختلاف موجود ہے۔ نماز کا اختلاف تو اتنا واضح ہے کہ عامی اور جاہل بھی اسے جانتا ہے۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں وہ مسائل تقریباً سب کے سب سامنے جاتے ہیں جن میں اہل سنت اور شیعوں کے درمیان اصولی اور بنیادی اختلاف ہے۔ بلکہ مطالعہ سیرۃ کے بارے میں فریقین کا نقطہ نظر اور زاویہ بصر ہی جداگانہ اور مختلف ہے۔

کوئی مجھے سمجھائے کہ معلم فریقین کے طلبہ کو "غدیر خم" کے واقعات کس طرح پڑھائے گا—؟ وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حادثہ جانکاہ کا بیان کس عنوان سے کرے گا۔؟ ان واقعات کے بارے میں وہ سنّی طرز فکر اختیار کرے گا یا شیعی۔؟ ان سب واقعات و حالات کے بارے میں فریقین کے درمیان شدید اختلافات ہیں۔ اور یہ تو چند مثالیں ہیں، اختلافات کی تعداد تو اس سے بہت زائد ہے۔ نفس سیرت کے علاوہ لوازم سیرۃ میں تو اختلافات اس سے بہت زائد ہیں۔ واضح بات ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کا بیان آنحضورؐ کے اصحاب کرام کے تذکرے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کیا ہجرت یا بیعت رضوان غزوہ بدر وغیرہ کی تفصیل صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ، عثمان ذی النورین اور دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے تذکرے کے بغیر کی جا سکتی ہے؟ اور کیا معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تعلیم و تربیت اور قوت تزکیہ و تطہیر کا بیان صحابہ کرامؓ کے پاکیزہ احوال کو بطور نمونہ سامنے لائے بغیر کیا جا سکتا ہے۔؟ سب کو معلوم ہے کہ مذہب شیعہ میں صحابہ کرامؓ کا کیا تصوّر پیش کیا گیا ہے۔ اہل سنّت تو اس تصوّر کو ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہیں کر سکتے ——

اخلاقیات بھی تفصیلی درجہ میں فریقین کے نزدیک مشترک نہیں۔ اجمالی طور پر بعض اخلاقی معیاروں میں وحدت سمجھ میں آتی ہے۔ مگر وہ تو ہندوؤں اور مسیحیوں میں بھی موجود ہے۔ سوال تو تفصیل کا ہے۔ معیار اخلاق اور ان کے اقدار کے اختلاف کے ساتھ ماخذ اخلاقیات ہی دونوں مذہبوں میں مختلف ہیں۔ اہل سنّت اخلاق حسنہ کا سرچشمہ کتاب اللہ اور سنّت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کا عملی نمونہ صحابہ کرامؓ کے تعامل کو جانتے ہیں۔ جبکہ شیعہ ان میں سے گنتی کے نو آدمیوں کو مستثنیٰ کر کے سب کو بہت برا سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ انہیں مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔ جس چیز کو ہم سنّت نبوی کہتے ہیں وہ ان کے نزدیک قابل اعتماد ہی نہیں۔ ان شدید اور بنیادی اختلافات کی موجودگی میں ہمارے اور ان کے اخلاقی تصورات یکساں کیسے ہو سکتے ہیں۔؟

نصاب کے متعلق اسی سلسلہ میں ایک تجویز یہ ہے:

"شیعہ اور سنّی علماء پر مشتمل ورکنگ گروپ بنایا جائے گا۔ جو اسلامیات کے نصاب کی تفصیلات تیار کرے گا۔ تاکہ ایسے مواد سے اجتناب کیا جائے۔ جس سے دوسرے فرقے کے جذبات مجروح ہونے کا امکان ہو۔"

سوال یہ ہے کہ جذبات مجروح ہونے کا معیار کیا ہے۔؟ اور اس کا فیصلہ کس طرح ہوگا۔؟ اگر

شیعہ حضرات خلفائے ثلاثہ اور حضرت معاویہؓ وحضرت ابوسفیانؓ وحضرت عمرو بن العاصؓ کے تذکرے سے ہمارے جذبات مجروح ہوتے ہیں ۔ تو کیا ان سب حضرات کا تذکرہ نصاب سے خارج کر دیا جائے گا ۔؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ بچوں کے ذہن میں شیعیت کے زہریلے انجکشن لگائے جائیں گے ۔ اور درحقیقت مشترک نصاب تعلیم کے پردے میں آئندہ نسل کو شیعہ بنانے اور مذہب اہل سنّت کو مٹانے کا منصوبہ کارفرما ہے ——— شیعہ جو تصور حضرت علیؓ کا پیش کرتے ہیں ۔ اور جس طرح وہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی درجہ دینے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اس سے اہل سنّت کے جذبات یقیناً مجروح ہوتے ہیں ۔ یہی نہیں بلکہ شیعہ انہیں وہی رسول اور خلیفہ بلافصل کہتے ہیں ۔ جو ہمارے لئے سخت دلآزار ہے ۔ علیٰ ہذا ان کا نظریۂ امامت ہمارے عقیدہ ختم نبوت کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہمارے جذبات کو مجروح کرتا ہے ۔ اور سچ تو یہ ہے کہ شیعہ مذہب کے اکثر اجزاء اہل سنّت کے بزیات کو مجروح کرنے والے ہیں ۔ جب صورت واقعہ یہ ہو تو اہل سنّت اور شیعوں کیلئے کسی مشترک نصاب کا تصور بھی نہیں ہو سکتا ۔ اور سرکاری اداروں میں شیعہ مذہب کی تعلیم کا انتظام کرنا اہل سنّت کے خلاف ایک جارحانہ اقدام ، مذہب اہلسنت کو مٹانے کی ایک تدبیر اور سنیوں پر ظلم کے مترادف ہے ۔

کیا اہل سنّت کی حمیّت دینی بالکل مردہ ہو چکی ہے ۔؟ اگر نہیں تو اسکی زندگی کا ثبوت دینے کا یہی وقت ہے ۔ انہیں اس صورت حال کے خلاف شدّت کے ساتھ پرامن احتجاج کرنا چاہیے اور ثابت کر دینا چاہیے کہ جب تک سنیوں کا ایک فرد بھی زندہ ہے اس وقت تک یہ نظام تعلیم نافذ نہیں ہو سکتا ۔

معلوم نہیں ہمارے سیاسی لیڈر کیا کر رہے ہیں ۔؟ اگر وہ مذہب اہل سنّت کی حفاظت نہیں کر سکتے تو انہیں اہل سنّت کی قیادت کا کیا حق ہے ۔؟ جو علماء اہل سنّت اسوقت ساکت ہیں ان کا سکوت بھی جرم عظیم ہے ۔ فردائے قیامت انہیں اسکی جواب دہی کرنا پڑے گی ۔ ■■

مبارک اعلان | بذل المجہود جلد اوّل -/۶۰ دوم -/۶۰ سوم -/۶۰ چہارم -/۶۰

تاریخ علم نحو کے علماء کے حالات -/۱۲ کوثر النبیؐ از مولانا پرہاروی -/۴

صرف گھوٹی -/۶ روپے ۔

مکتبہ قاسمیہ ، چوک فوارہ ۔ ملتان